میرا بچپن۔۔۔میرا حق

”ابھی شادی نہیں“

پاکستان اور بچپن کی شادی

پاکستان بھر میں بچپن اور جبری شادیاں عام رواج کے طور پر کی جاتی ہیں لیکن خیبر پختونخواہ میں بچپن اور جبری شادیوں کی شرح خطرناک حد تک زیادہ ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی ایک رپورٹ کے مطابق خیبر پختونخواہ کے بعض اضلاع میں بچپن کی شادیوں کی شرح **74%** تک ہے جو ایک انتہائی بلند تناسب ہے اور اس کا نتیجہ انسانی حقوق کی پامالی، حق تلفیوں اور اکثر تشدد کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

بچپن کی شادیاں بچے اور بچیوں کی جنسی و تولیدی صحت، تعلیم جاری رکھنے اور ذاتی تشخص و پسند کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں جس کے گھر اور معاشرے پر نہایت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

خیبر پختونخواہ میں شادی سے متعلقہ فیصلے میں عموماً لڑکے اور لڑکی کی مرضی کو بہت کم اہمیت دی جاتی ہے اس لیے بچپن کی شادیاں صوبے و پاکستان بھر میں نہ صرف معاشی، معاشرتی، قانونی اور سماجی مرتبے کی بلندی میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں بلکہ ملک کی مجموعی ترقی کی راہ میں بھی ایک بڑی رکاوٹ کا سبب ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ لڑکیوں اور لڑکوں کو ان کی ذات سے متعلق فیصلوں میں اختیار دیا جائے اور انکی زندگیوں کو متاثر کرنے والے معاملات میں ان کی بامقصد شراکت کو یقینی بنایا جائے تاکہ صنفی عدم مساوات امتیازی سلوک تشدد اور غربت کے چکر کو توڑنے میں مدد حاصل ہو اور ایک انسان دوست معاشرہ تشکیل پا سکے۔

شادی یا نکاح کی تعریف

شادی/نکاح وہ شرعی اور قانونی معاہدہ ہے جو مرد اور عورت آزادانہ اور باہمی رضامندی سے ایک خاندان کی بنیاد رکھنے کے لیے کرتے ہیں جس کی تکمیل پر عورت اور مرد میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

شادی اور حقِ انتخاب

نکاح کے لیے لڑکے اور لڑکی کی رضامندی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے والدین/سرپرست سے نکاح سے پہلے یا نکاح کے وقت برملا کر سکتے ہیں۔ جس کا انہیں قانونی اور شرعی حق حاصل ہے۔ اور اگر وہ

نکاح کے وقت انکار کر دیں تو نکاح جائز نہیں ہوتا لیکن ہمارے معاشرے میں اکثر لڑکیوں کو حقِ انتخاب نہیں دیا جاتا جو آنے والی زندگی میں مصائب اور مشکلات کا باعث بنتا ہے۔

کم عمری اور بچپن کی شادیوں کے محرکات

پاکستان کے مختلف علاقوں میں بچپن کی شادیوں کے مختلف محرکات پائے جاتے ہیں جن میں غربت، ماں باپ کی شادی سے پہلے لڑکیوں کو جسمانی تعلقات سے روکنے کی خواہش، جنسی تشدد سے تحفظ، لڑکیوں کے لیے تعلیم و نوکریوں کا نہ ہونا، لڑکیوں کا صرف ماؤں اور بیویوں کے روپ میں قابل قبول ہونا شامل ہے۔ بچپن کی شادیوں کی براہ راست ذمہ داری صنفی عدم مساوات، فرسودہ روایات، پُرانے رسومات، غلط تصوّرات اور فرسودہ رواجوں اور پدرشاہی معاشرے پر عائد ہوتی ہے۔

لڑکیوں کی دوشیزگی کا خاندانی غیرت کے ساتھ نتھی کیا جانا بچپن کی شادیوں کے لیے ایک مضبوط جواز فراہم کرتے ہیں اور خاندان کے مرد یہ سوچ کر بچیوں کی کم سنی میں شادی کر دیتے ہیں کہ لڑکیوں کو جنسی بے راہ روئی سے بچایا جائے اور خاندانی وقار کو بحال رکھا جا سکے۔ اس کے ساتھ یہ تصور بھی کہ لڑکیاں ''پرائی امانت'' ہوتی ہیں اور لڑکیوں کو ایک نہ ایک دن پرائے گھر چلے جانا ہے۔ والدین اور خاندان کے دیگر افراد کو بچپن کی شادیوں پر اکساتا ہے اور والدین کوشش کرتے ہیں کہ ''پرائی امانت'' کے بوجھ سے سبکدوش ہو سکیں۔

پاکستان میں بچپن کی شادیوں کا مسئلہ اس لئے بھی نہایت پیچیدہ ہے کہ بعض حلقوں کی جانب سے اِسے مذہبی جواز بھی فراہم کیا جاتا ہے جو پاکستان میں بچپن کی شادیوں کی روک تھام کے حوالے سے قانون سازی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مائیں کوشش کرتی ہیں کہ بیٹے کے لیے کم عمر لڑکی تلاش کر سکیں تا کہ اُس میں تابعداری کی صلاحیت کو پختہ کیا جا سکے اور آسانی سے گھریلو ماحول میں ڈھالا جا سکے۔ اس کے ساتھ ہی مائیں اپنی بیٹیوں کی جلدی شادیاں کرنا چاہتی ہیں تا کہ ان کے فرض سے سبکدوش ہو سکے اور بیٹیوں کے رشتے نہ ہونے کے معاشرتی دباؤ سے آزاد ہو سکیں۔

مخصوص حالات میں ہونے والی بچپن کی شادیاں

پدرشاہی معاشرے میں بعض اوقات مخصوص حالات میں بچپن اور جبری شادیاں کر دی جاتی ہیں جنہیں سندھ میں ونی یا بدا، پنجاب میں ونی، خیبر پختونخوا اور قبائلی علاقوں میں سورّہ کہا جاتا ہے اس رسم کے تحت ملزم خاندان، فریقین کے درمیان خونی تنازعہ طے کرنے کے عوض اپنی کم عمر لڑکی یا لڑکیوں کی شادی متاثرہ خاندان میں کر دی جاتی ہے۔ اس رسم کا شکار بننے والی بچیوں کو عموماً انتہائی تکلیف دہ ماحول میں رہنا پڑتا ہے جہاں انہیں عموماً دشمن کی بیٹیاں یا رشتہ دار سمجھ کر بُرا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ملک کے بعض علاقوں میں بچیوں کو جائیداد کے حق سے محروم کرنے کے لیے قرآن مجید کے ساتھ ان کی علامتی شادی بھی کر دی جاتی ہے تاکہ وہ مستقبل میں نہ تو بچے پیدا کر سکیں اور نہ ہی جائیداد میں اپنا حق طلب کر سکیں۔

نوعمری میں شادی کے اثرات

صحت پر اثر

نوعمری کی شادی کا پہلا نتیجہ چھوٹی عمر میں بچے کی پیدائش اور اس سے متعلقہ پیچیدگیاں ہیں خاص طور پر فیسٹولہ جیسی بیماریاں جو کہ نہ تو بتائی جاتی ہیں اور نہ ہی شمار کی جاتی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کا فنڈ برائے آبادی **(UNFPA)** کی ایک رپورٹ کے مطابق ''نوعمر ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے دس لاکھ بچے اپنی پہلی سالگرہ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ مزید کئی لاکھ بچے پانچ سال کی عمر کو پہنچنے تک مر جائیں گے''۔ برٹش میڈیکل جرنل میں شائع ہونے والی ایک حالیہ تحقیق نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ **18** سال سے کم عمر کی عورتوں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو غذائیت کی کمی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔

پاکستان میں ماؤں کی تین چوتھائی اموات بچوں کی پیدائش کے دوران اور اس کے بعد والے عرصے میں واقعہ ہوتی ہیں اور ان اموات کی تین اہم ترین وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

- ☆ پیدائش کے بعد خون کا زیادہ بہہ جانا
- ☆ کوئی خطرناک انفیکشن
- ☆ حمل کے دوران تشنج کا دورہ

طبّی طور پر ثابت شدہ حیاتیاتی اور جسمانی عوامل کی وجہ سے اوپر دی گئی تینوں وجوہات نوعمر حاملہ ماؤں میں زیادہ پائی جاتی ہیں کہ 20 سال بڑی عمر ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کے مقابلے میں نوعمر ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے بچے کا اپنی زندگی کے پہلے سال میں ہی مر جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ چونکہ نوعمر ماؤں اور ان کے جنین دونوں کو اپنی نشوونما کے لئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے تو دوران حمل (خاص طور پر حمل کے پہلے چار مہینوں میں جب ماں اور بچے کی صحت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے) مناسب خوراک کے نہ ملنے کا نتیجہ اوسط سے کم وزن (51/2 پونڈ سے کم) کے بچے کی پیدائش ہوتی ہے اور اس طرح کے بچے بیماریوں کا زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا نوعمر ماؤں کو کم وزنی، وٹامنز کی کمی، خون کی کمی اور تشنج جیسے مسائل کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔

چونکہ ان کے پیڑو کی ہڈیوں کی نشوونما تقریباً 18 سال سے پہلے مکمل نہیں ہوتی، اس بات کا بھی امکان ہوتا ہے کہ نوعمر مائیں ایک اوسط وزن کے بچے کو نارمل طریقے سے پیدا نہ کر سکیں۔ اس وجہ سے نوعمر ماؤں میں بڑے آپریشن کی شرح زیادہ ہے۔ ایک بچہ جسے ایک 20 سالہ نارمل طریقے سے پیدا کر سکتی ہے وہی بچہ 14 سال کی عمر میں نارمل طریقے سے پیدا کرنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ معاشرے کے غریب طبقات کے لئے بڑا آپریشن ایک اضافی مالی بوجھ ہے۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہاں 18 فیصد خواتین نے 18 سال کی عمر تک اپنے پہلے بچے کو جنم دیا، 9 فیصد خواتین نے 15 سے 19 سال کی عمر کے درمیان بچے پیدا کرنے شروع کیے اور 7 فیصد اس عمر میں پہلے ہی مائیں بن چکی تھیں، یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ پاکستان میں نومولود بچوں کی شرح اموات (78/1000) اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات (94/1000) جنوبی ایشیا میں سب سے زیادہ ہے۔ 20 سال سے کم عمر ماؤں کے بچوں کی شرح اموات 116/1000 ہے جبکہ 20 سے 29 سال کی ماؤں کے بچوں کی شرح اموات 75/1000 ہے۔

پاکستان میں ماؤں کی دوران پیدائش شرح اموات جو کہ 2003 میں 364/100,000 تھی 07-2006 میں کم ہو کر 276/100,000 پر آ گئی۔ تاہم 20 سال سے کم عمر ماؤں میں دوران پیدائش شرح اموات ناقابل یقین 242 فی لاکھ زندہ پیدائشیں ہے۔ یہ صورتحال اس بات پر زور دیتی ہے کہ کم عمری کی شادیوں کی مزید روک تھام کی جائے اور عورتوں کی زندگیاں بچائی جائیں (یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں جنسی تناسب ابھی تک منفی ہے)۔

گو پچھلے 10 سالوں میں کم عمری میں حمل کی شرح میں کمی (12 فیصد سے 7 فیصد) ہوئی ہے اور 15 سال سے کم عمر کی شادیوں کی شرح بھی (10 فیصد) کم ہوئی ہے مگر ابھی بھی آگے ایک لمبا سفر ہے۔

کم عمری کی شادی کا بچے پیدا کرنے کی صلاحیت سے براہ راست تعلق ہے۔ اگر چہ پاکستان میں پیدائش کی شرح 2002 میں 4.8 فیصد سے کم ہو کر 2007 میں 4.1 فیصد ہو گئی تھی، دیہی علاقوں میں یہ شرح اب بھی زیادہ (4.4 فیصد) ہے کیونکہ وہاں عورتیں شہری عورتوں سے سال پہلے بچہ پیدا کرتی ہیں اور کم عمری میں شادیوں کا رواج زیادہ ہے۔ جسمانی نشوونما یا سالوں کی بجائے لڑکیوں میں ایام حیض کی ابتدا کو ان کی شادی کی عمر شروع ہونے کی نشانی سمجھنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ خصوصاً پاکستان کے دور دراز علاقوں میں۔ شادی طے کرتے وقت ایک کم عمر ماں اور اس کو نوزائیدہ بچے کو پہنچنے والے اس متوقع نفسیاتی صدمے کو خاطر میں نہیں لایا جاتا جو ذہنی نشوونما کو روک سکتا ہے، اپنے آپ میں مگن رہنے کا عادی بنا سکتا ہے یا پھر اسے ذہنی طور پر مفلوج کر سکتا ہے۔

سماجی اثر

کم عمری میں شادی کا حقیقت میں مطلب ہے خواتین کو تعلیم اور اپنے لئے موزون مواقع تلاش کرنے کے حق سے محروم کر دینا۔ کم عمری میں شادی کی وجہ سے خواتین باخبر ماؤں کا کردار ادا نہیں کر سکتیں، وہ روزگار کے تقاضوں کو نبھا نہیں سکتیں اور نہ ہی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ عمر بھر کے لئے ہونے والے یہ معاشرتی اور معاشی مسائل جو کہ کم عمری میں شادی اور جلد بچے پیدا کرنے کا نتیجہ ہوتے ہیں ذرائع معاش کے مواقع کو محدود کرتے ہیں اور ایک نوعمر دلہن کو مصائب کے ایک ایسے چکر میں پھنسا دیتے ہیں جو اسے کھینچ کر اذیت ناک غربت کے منہ میں لے جاتا ہے۔ یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے کہ پاکستان میں غیر رسمی شعبہ نیم ہنرمند اور کم اجرت حاصل کرنے والی خواتین (70 فیصد) پر ہی انحصار کرتا ہے اور اس ملک کی تقریباً آدھی آبادی کی قابلیت کو استعمال میں ہی نہیں لایا گیا۔ مزید یہ کہ کم عمری کی شادیاں لڑکیوں کے شادی سے متعلق حقوق اور خودمختاری کو سلب کرتی ہیں۔

اور انھیں آزادانہ اور مکمل رضامندی کے ساتھ شادی کرنے کے اس حق سے بھی محروم کرتی ہیں جو انہیں نہ صرف انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے نے بلکہ مذہب نے بھی دیا ہے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جب ایک فریق اپنی زندگی کے ساتھی کے بارے میں صحیح فیصلہ کرنے کے لئے پختہ ذہن کا مالک نہیں اور نہ ہی اپنے آئینی اور مذہبی حقوق

سے آگاہ ہے تو رضامندی" مکمل اور آزادانہ" نہیں ہوسکتی۔ غیر محفوظ جسمانی تعلق سے انکار نہ کر سکنے کی وجہ سے یہ نوعمر خواتین (جنہیں 18 سال سے کم عمر کی ہونے کی وجہ سے "دلہن بچیاں" بھی کہا جاتا ہے) اور ان کے بچے بھی جنسی تعلق کے دوران منتقل ہونے والی بیماریوں کا شکار ہوسکتے ہیں۔ زیادہ تر کم عمر دلہنوں کو گھر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تعلیم، شادی کی عمر اور تولیدی صحت کے رویے کا آپس میں تعلق بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ تعلیم شادی اور پھر بچوں کی پیدائش میں تاخیر کا باعث بنتی ہے۔ پاکستان ڈیموگرافک ہیلتھ سروے 2007 کے مطابق اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی خواتین دیر سے شادی کرتی ہیں (ان کی شادی کی اوسط عمر 24.5 سال ہے یعنی کہ تعلیم نہ حاصل کرنے والی عورتوں سے 6 سال بعد)۔ ثانوی تعلیم حاصل کرنے والی خواتین کے ہاں بھی پہلے بچے کی پیدائش نسبتًا دیر سے ہوتی ہے (اوسطاً 23 سال کی عمر میں) اور ان کے جلدی بچے پیدا کرنے کے دس گناہ کم امکانات ہوتے ہیں (جبکہ غیر تعلیم یافتہ خواتین 19 سال کی عمر میں بچے پیدا کرنا شروع کر دیتی ہیں) اسی طرح سے پاکستان ڈیموگرافک ہیلتھ سروے 2007 کے مطابق خواتین کی تعلیم کے ساتھ مانع حمل طریقوں کے استعمال میں حیران کن اضافہ ہوا ہے۔ ثانوی درجے سے آگے تعلیم حاصل کرنے والی خواتین کے غیر تعلیم یافتہ خواتین کے مقابلے میں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقے استعمال کرنے کے دوگنا امکانات ہوتے ہیں (43 فیصد بمقابلہ 25 فیصد)۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین ایچ آئی وی ایڈز اور اس روک تھام کے بارے میں بھی زیادہ آگاہ پائی گئی ہیں۔

اوپر کی جانے والی بحث سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایک عورت کی زندگی کو، زندگی کے ایک مکمل چکر کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ مثال کے طور پر بچپن میں تعلیم یا شادی کے متعلق کئے گئے فیصلوں کے نہ صرف اس لڑکی کیلئے دوررس نتائج ہوتے ہیں جسے اس کے لڑکپن سے محروم کر دیا جاتا ہے بلکہ ان کا اثر مجموعی طور پر اس کے بچوں اور ملک پر بھی پڑے گا۔ ان فیصلوں کے پیچھے کئی ناگزیر محرکات ہوتے ہیں جیسا کہ رسم ورواج جو کے پاکستان میں علاقوں اور جغرافیائی حدود کے مطابق بدلتے رہتے ہیں، برادریاں، قبیلے اور دوسری گروہی شناختیں، غربت، ترقیاتی کام اور دوسری سہولتیں خاص طور پر تعلیم اور صحت، معلومات تک رسائی اور موجودہ قوانین۔ نوعمری یا بچپن کی شادیاں گہرے صنفی امتیاز کو ظاہر کرتی ہیں اور یہ امتیاز اس رواج کی وجہ سے قائم دوائم رہتا ہے۔

بچہ شادی امتناعی ایکٹ 1929ء

پاکستان میں بچہ شادی، بچہ شادی امتناعی ایکٹ 1929ء (نمبر XIX) کے تحت ایک حد تک قانونی طور پر ممنوع ہے۔ اس ایکٹ کے تحت لڑکے کے لیے شادی کم از کم عمر 18 سال جبکہ لڑکی کے لیے 16 سال متعین ہے۔ (دفعہ 2)۔ اس کی خلاف ورزی پر 1000 روپے جرمانہ اور ایک ماہ قید کی سزا یا درج ذیل کیلئے دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں:

- ☆ ایک بالغ مرد (18 سال کی عمر سے زیادہ) جو ایک بچی سے شادی کا ارتکاب کرے (دفعہ 4)
- ☆ ایک فرد جو بچہ شادی میں نکاح پڑھائے (دفعہ 5)
- ☆ والدین یا سرپرست جو بچہ شادی رکوانے کا اقدام نہ کرے (دفعہ 6)

ایکٹ 1929ء قانون کی کتابوں میں درج اُن چند قوانین میں سے ایک ہے جو خود قائداعظم نے اس وقت متعارف کرائے تھے جب وہ برٹش انڈیا کی قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے۔ بچہ شادیوں کی مذہبی توثیق رکوانے کے لیے یہ ایکٹ یکم اکتوبر 1929ء کو منظور ہوا جبکہ پورے انڈیا کے لئے یہ 30 اپریل 1930ء کو مؤثر العمل ہوا۔ یہ اب بھی نافذ ہے اور اس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق پاکستان کے مسلمان اور غیر مسلم تمام شہریوں پر ہوتا ہے چاہے وہ پاکستان کے اندر رہتے ہوں یا جہاں کہیں بھی رہائش پذیر ہوں۔

یہ قانون ایک دلیرانہ اقدام تھا کیونکہ 1929ء میں بچہ شادی کا رواج صرف انڈیا تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ یہ بہت سے مغربی معاشروں میں بھی رائج تھا۔ قدیم یورپ میں خواتین اور بچوں کی صورتحال کی بہت سے ایشیائی معاشروں میں جاری رسوم و رواج سے بے حد مماثلت تھی۔

ان تمام مماثلتوں کے باوجود بچہ شادی کے رواج پر مغرب کے مقابلے میں برصغیر میں بہت وسیع پیمانے پر عمل ہوتا تھا۔ بچہ دلہنوں، بچہ طلاق یافتگان اور بچہ بیواؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی پہلے ہی استحصال کی شکار ان بچیوں کے لیے خاوند کی موت کے بعد بیوہ ہونے پر خودسوزی یا ستی کی رسم پر عمل پیرا ہونے کے رواج نے مظالم میں ایک نئے پہلو کا اضافہ کر دیا تھا۔ ایکٹ 1929ء سے پہلے "رضامندی کی عمر کا ایکٹ 1892ء میں بنایا گیا جس میں عمر کی ایک حد متعین کی گئی جس سے کم عمر ہونے کی صورت میں شادی نہیں ہوسکتی تھی۔

تاہم اس سماجی قانون پر سختی سے عمل درآمد کرانے کے حوالے سے برطانوی حکمرانوں میں سیاسی عزم کی کمی تھی لہذا

بچہ شادیوں پر بلا روک ٹوک عملدرآمد جاری رہا۔اس لعنت پر قابو پانے کے لئے ایکٹ 1929ء وضع اور نافذ کیا گیا۔

اس ایکٹ کے مقصد اور عنوان سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ بچہ شادیوں کی مذہبی توثیق روکنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ درحقیقت اس ایکٹ میں بچے کی تعریف اسطرح کی گئی ہے کہ ایک فرد جو مرد ہونیکی صورت میں 14 سال سے کم عمر اور لڑکی ہونے کی صورت میں 12 سال سے کم عمر ہو ابعدازاں یہ عمر بڑھائی گئی۔15 جولائی 1961ء کو موثر العمل ہونے والے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس 1961ء (نمبر 8) نے ایکٹ میں مسلم شہریوں کی حد تک بچی کی عمر 12 سال سے بڑھا کر 14 جبکہ لڑکے کی عمر 21 سال سے کم کر کے 18 سال کر دی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم شہریوں کے لیے عمر کی حد 1961ء کی ترمیم سے پہلے کی سطح پر برقرار ہے۔ اسی قانون کے تحت انڈیا میں لڑکوں کے لئے عمر کی حد 21 سال اور لڑکیوں کے لئے 18 سال تک بڑھائی گئی ہے۔

1961ء میں آرڈیننس کے ذریعے ترمیم کے بعد ایکٹ میں کہا گیا ہے کہ جو کوئی بھی 18 سال سے زائد عمر کا مرد ہے اور 16 سال سے کم عمر کی لڑکی کے ساتھ شادی کرتا ہے تو اسے محض قید کی سزا ہوگی یعنی قید بامشقت نہیں (تعزیرات پاکستان دفعہ 53) بلکہ اسے 1000 روپے جرمانہ کے ساتھ ایک ماہ کی قید یا دونوں سزائیں بھی دی جاسکتی ہیں۔

مزید برآں جو کوئی بھی کسی بھی بچہ شادی میں کردار ادا کرتا ہے۔اسکے لئے کام کرتا ہے یا ہدایت دیتا ہے اور اس شادی میں فریقین میں سے ایک فریق بچی ہے تو ایسے فرد کو ایک ماہ تک قید 1000 روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں تاانکہ وہ یہ ثابت یہ کردے کہ اسکے پاس اس بات پر یقین کرنے کا معقول سبب تھا کہ مذکورہ شادی، بچہ شادی نہیں تھی۔اسی طرح درج ذیل افراد کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔جن پر بچہ شادی کرانے میں ملوث ہونے کا الزام ہو چاہے وہ والدین ہوں یا سرپرست یا کسی بھی دوسرے حوالے سے چاہے وہ قانونی ہو یا غیر قانونی۔

- ☆ جو کوئی اس شادی کے معاملے کو آگے بڑھانے میں کوئی کردار ادا کرے، یا
- ☆ اسے مذہبی حیثیت دینے کی اجازت دے، یا
- ☆ نادانستہ طور پر اس شادی کو مذہبی حیثیت دینے سے روکنے میں ناکام رہے۔

تو اسے ایک ماہ تک قید، 1000 روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں تاہم اس میں ملوث کسی خاتون کو قید کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ ایکٹ کی اس دفعہ کے مقاصد کے لئے قانون کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ، جب تک اسکے برعکس ثابت نہ ہو جائے کہ ایک بچے کو بچہ شادی کے بندھن میں باندھا گیا ہے اور بچے کی شادی کرانے کا ملزم نادانستہ طور پر اس شادی کو مذہبی حیثیت دینے سے روکنے میں ناکام رہا ہے مجسٹریٹ درجہ اوّل کے علاوہ کوئی بھی عدالت اس ایکٹ کے تحت آنے والے کسی بھی جرم کی سماعت یا ٹرائل کی مجاز نہیں ہے۔ تاہم مجسٹریٹ درجہ اوّل بھی جرم سرزد ہونے کی تاریخ سے ایک سال تک کی مدت ختم ہونے کے بعد اس وقت تک، سوائے پنجاب کے، مقدمے کی سماعت نہیں کرسکتا جب تک وہ یونین کونسل میں شکایت درج نہ کرائے جسکی حدود میں بچہ شادی ہوئی ہو یا نکاح پڑھایا جانا ہو یا اگر اس علاقے میں کوئی یونین کونسل نہ ہو تو اسکی طرف سے مقامی حکومت کے نمائندے یہ کام کرسکتے ہیں۔

ایسے مقدمات میں جہاں عدالت شکایت یا دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کی بنیاد پر مطمئن ہو کہ بچہ شادی میں مذہبی فریضہ ادا کیا جانے والا ہے، تو عدالت ایسی شادی کرنے والے کسی بھی فرد کے خلاف حکم امتناعی جاری کرسکتی ہیں، یا بچہ شادی کا اہتمام کرنے میں ملوث افراد یا بچے کے کسی سرپرست چاہے وہ والدین ہوں یا سرپرست یا کسی بھی دوسرے حوالے سے وہ قانونی ہو یا غیر قانونی، ان کے خلاف عدالت حکم دے سکتی ہے تاہم متعلقہ فرد کی وضاحت سنے بغیر عدالت حکم امتناعی جاری نہیں کرسکتی۔ عدالت اس قسم کے حکم امتناعی میں تبدیلی بھی کرسکتی ہے۔ اس قسم کا حکم امتناعی نہ ماننے کی صورت میں متعلقہ فرد کو تین ماہ تک قید یا 1000 روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں لیکن ایکٹ کی اس دفعہ کے تحت کسی خاتون کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

بچہ شادیوں پر قابو پانے میں ناکامی

اپریل 2010ء میں ہونے والی 18ویں ترمیم سے پہلے بھی عائلی قانون صوبائی دائرہ اختیار میں آتا تھا۔ تاہم ترمیم کے بعد یہ صوبوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچہ شادی سے متعلق اپنے قوانین وضع کریں یا جیسا ضروری سمجھیں اس میں ترمیم کرلیں۔

ایکٹ 1929ء کی شقیں بہت سادہ ہیں تاہم یہ بچہ شادیوں کی مذہبی حیثیت رکوانے میں کافی حدتک ناکام رہی ہیں مسئلہ اتنا پیچیدہ ہے کہ محض قانون سازی سے اس پر قابو نہیں پایا جاسکتا ایسا جزوی طور پر سماجی وجوہات کی بناء پر ہے لیکن ایکٹ موجودہ شقوں کی کمزور نوعیت بھی اس کا سبب ہوسکتی ہے۔

ایکٹ میں بچے اور بچی کی عمروں میں فرق امتیازی ہے اور یہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 25(2) سے متصادم ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''محض جنس کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔'' بچے اور بچی کی عمروں میں اس جواز کی بنیاد شاید مسلم پرسنل لاء پر رکھی گئی ہے جس میں بعض افراد کی تشریح کے مطابق ایک لڑکی سن بلوغت کو پہنچنے پر ہی اسے بالغ سمجھا جاتا ہے۔ مزید برآں اس ایکٹ کے تحت دی جانے والی سزائیں اور تادیبی اقدامات بہت ہلکے پھلکے ہیں اور شاید ہی یہ آج کے حالات کے مطابق ہوں۔ یہ سزائیں 84 سال قبل متعارف کرائی گئی تھیں اور اب بہرحال ان پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

صوبہ سندھ نے 2014 میں قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے بچپن کی شادیوں کا ترمیمی ایکٹ 2014ء منظور کیا جس میں شادی کے لے لڑکیوں کی کم ازکم عمر کو بڑھا کر 18 سال کر کے لڑکوں کے یکساں کر دیا گیا اور خلاف ورزی کی صورت میں سزاؤں اور جرمانہ کو بھی بڑھا دیا گیا 2015 میں صوبہ پنجاب نے بھی بچپن کی شادیوں کی روک تھام کے حوالے سے قانون میں ترمیم کی بدقسمتی سے پنجاب میں لڑکی کی شادی کی کم ازکم عمر کو تو 16 سال سے نہ بڑھایا جاسکا لیکن سزاؤں اور جرمانے میں اضافی کر دیا گیا۔

خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں اس حوالے سے ابھی تک کوئی ترمیمی ایکٹ پاس نہیں کیا جاسکا اور اس حوالے سے کوششیں جاری ہیں۔

ذرا سو چئیے!

شادی دوافراد کے درمیان ایک مضبوط معاہدے کا نام ہے لہذا یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی کم سن مظبوط معاہدہ کیسے کرسکتا ہی کیا کوئی کم عمر بچہ یا بچی شادی جیسے اہم معاہدے کے حوالے سے شرائط یا معاملات طے کرنے کا اہل ہوسکتا ہے۔

ہمیں بطور افراد معاشرہ یہ سمجھنا ہوگا لڑکی کو شادی کے قابل ہونے کے لیے بالغ کے ساتھ ساتھ عاقل بھی ہونا چاہئے تا کہ وہ سوچ وفہم کا استعمال کرتے ہوئے اپنے لیے مناسب فیصلے کر سکے اور شادی کی صورت میں اس کے نتائج واثرات سے پوری طرح آگاہ ہو اور اس حوالے سے اپنے حقوق و ذمہ داریوں سے پوری طرح آشنا ہو۔

DISCLAIMER

This publication does not necessarily reflect the views of Canada Fund for Local Initiatives.

Activity supported by the Canada Fund for Local Initiatives
Activité réalisée avec l'appui du Fonds canadien d'initiatives locales

www.blueveins.org
BlueVeinsPak
@BlueVeinsPak